OPEN ACCESS
ABHATH
(Research Journal of Islamic Studies)
Published by: ***Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore.***

ISSN (Print) : 2519-7932
ISSN (Online) : 2521-067X
January-March-2023
Vol: 8, Issue: 29
Email:abhaath@lgu.edu.pk
OJS:https://ojs.lgu.edu.pk/index.php/abhath/index

مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں تصور خدا کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of Concept of God in Different Religions

Hafiz Arshad Iqbal
Lecturer, Government khaja Rafiq Shahid College, Walton Road Lahore:
hafizarshad555@gmail.com

Abstract

The greatest benevolence of Islam for the humanity is the belief in monotheism (Allah is One). Just as the soul of Islam is its belief system, the soul of these beliefs is to believe in, and have faith in, the Oneness of the Almighty. This belief is the pinnacle of all others which profess the Oneness of Allah. He is Unique and Singular in terms of nature and attributes. All the Prophets and Messengers preached the same belief throughout their lives. This belief has been comprehensively described in Surah Al-Ikhlas and Ayat al-Kursī (The Throne Verse). Although it is indubitably true that if this belief is adulterated, the edifice of other beliefs will surely collapse, many religions – other than Islam – have contaminated the pure concept of Allah's Oneness. Idolist or naturalistic religions have depraved the true concept of Allah. Even some divine religions have veered off from the true idea of Tawheed and their followers resorted to Shirk. The knowledge pattern needed to ascertain the existence of God has to be the Quranic one, and sans it affirming the existence of Allah may become perplexing. In the instant article, besides proving a brief history of the concept of God in ancient religions and civilizations and the affirmation of Allah's Oneness in the light of historical and rational arguments, all the modern-day scepticism regarding the existence of Allah will be addressed in the light of opinions of revered scholars and Iqbal's thought.

Keywords: Concept of God, Arguments, Religions of the world,

انسانیت پر اسلام کا سب سے بڑا احسان عقیدہ توحید ہے۔ جس طرح پورے اسلام کی جان اُس کے عقائد ہیں، اِسی طرح ان عقائد کی جان "عقیدۂ توحید" ہے۔ یہ عقیدہ دوسرے تمام عقائد کا نقطہ ءکمال ہے جس کے مطابق "اللہ ایک ہے، وہی ساری کائنات کا خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے، مستحقِ عبادت ہے، ذات، صفات اور صفات کے

تقاضوں میں بے مثل اور بے مثال ہے۔" تمام انبیاء ورُسُل نے ساری زندگی اسی عقیدہ کی تبلیغ کی۔ اس عقیدے کو جامع انداز میں سورہ اخلاص میں پیش کیا گیا ہے اگر عقیدہ توحید میں خرابی پیدا ہو جائے تو باقی عقاید کی عمارت بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اسلام کے سوا دیگر مذاہب نے خالص تصور خدا کو گدلا کر دیا۔ بت پرست یا فطرت پرست مذاہب نے تو حقیقی تصورِ خدا کو گویا مسخ ہی کر دیا۔ جہاں تک الہامی مذاہب کا تعلق ہے تو وہاں بھی توحید خالص کی جگہ شرک نے لے لی۔ وجودِ باری تعالیٰ کے اثبات کے لیے جس منہج علم کی ضرورت ہے وہ قرآنی منہج ہے' قرآنی منہج کو چھوڑ کر باقی مناہج علم سے وجودِ باری تعالیٰ کا اثبات شاید مشکل ہو جائے۔ زیرِ نظر مقالہ میں قدیم مذاہب اور تہذیبوں میں تصورِ خدا کی مختصر تاریخ، نقلی و عقلی دلائل کی روشنی میں توحید خالص کا اثبات' وجودِ باری تعالیٰ کے حوالے سے شبہات کا جواب علماء اور فکرِ اقبال کی روشنی میں دیا جائے گا۔

1-قدیم مذاہب اور تہذیبوں میں تصورِ خدا

معلوم انسانی تاریخ سے لے کر آج تک انسانوں کی کوئی ایسی بستی نہیں ملی جہاں مافوق الفطرت ہستی کا تصور موجود نہ رہا ہو۔ دنیا کی ہر تہذیب اور تمدن میں خدا کا تصور موجود رہا ہے۔ انسان کے بارے میں ایک تحقیق یہ ہے کہ:

"پچاس ہزار سال قبل جدید نوع انسانی Homo Sapien کا آغاز ہوا۔ اس دور کو جسے Paleolithic Period کہتے ہیں، بہت سے نسوانی مجسمے ملتے ہیں جن سے ایک ایسی "عظیم ماں" کا تصور ملتا ہے جو تمام زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اولین زمانے میں زیادہ تر نسوانی تصور خدا (دیوی) ہی پایا جاتا تھا، صاف ظاہر ہے انسان کا اپنا تجربہ اور مشاہدہ تھا کہ عورت ہی پیدائش کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ دنیا کی دیگر اشیاء کو پیدا کرنے والی ہستی بھی نسوانی ہو گی۔"[1]

(ا) قدیم مصر اور تصورِ خدا

قدیم مصر کے غیر سامی لوگ تین ہزار سال قبل از مسیح درجنوں شہری ریاستوں میں رہتے تھے۔ ہر شہر کا اپنا ایک سردار دیوتا ہوتا تھا۔ شروع شروع میں ریاست کا انتظام بزرگوں کے ہاتھ میں تھا۔ جس نے بالآخر بادشاہوں کی شکل اختیار کرلی۔ ان لوگوں کی ساری زندگی کا تانا بانا معبد کے گرد گھومتا تھا۔ بادشاہ سب سے بڑے مذہبی پیشوا کی

---

[1] ارشد محمود، تصورِ خدا، فکشن ھاؤس لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۵-۱۶
Arshad Mehmood, Tasawar-e-Khuad, Fiction house, Lhr, 2017, p15-16

حیثیت بھی رکھتا تھا۔ معبد کی عمارت پر ایک مینار بنایا جاتا جس پر اس وقت کا پروہت چڑھ کر دیوتاؤں سے سیلابوں کے نہ آنے کی دعا مانگا کرتا تھا۔ ارشد محمود لکھتے ہیں:

"ایک تخمینے کے مطابق اہل مصر کے دو ہزار دو سو معبود تھے۔ مصریوں میں ہمیشہ سے سب سے بڑے خدا کا تصور سورج دیوتا سے وابستہ رہا ہے۔ اسی لیے بادشاہوں کو سورج دیوتا کا اوتار مانا جاتا تھا۔ بادشاہ کی حیثیت خود خدا جیسی ہی تھی۔ تصور کیا جاتا تھا کہ وہ اس دنیا میں ایک اچھا دیوتا ہے اور مرنے کے بعد وہ عظیم دیوتا میں تبدیل ہو جائے گا۔ وہ انسانوں اور دیوتاؤں کے درمیان ثالث کا کردار ادا کرتا۔"[2]

(۲) قدیم عراق اور تصورِ خدا

1400 سے 1200 سال قبل از مسیح میں دور کانسی کے بعد لوہے کے دور کا آغاز شرق قریب (Near East) کی تہذیب میں ایک نقطہ انقلاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں ایک کنعانی قوم کا ظہور ہوا۔ کنعانیوں کا سب سے بڑا دیوتا "ایل" (EL) تھا۔ وہ اسے مادے سے بالکل جدا مانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس نے سب مادی چیزوں کو پیدا کیا ہے لیکن ایل (برتر ہستی) کا تصور بعد ازاں پارہ پارہ ہو کر کثیر معبودوں میں منقسم ہو گیا۔

"ان کے ہاں بعل (BA,AL) دیوتا کی بڑی اہمیت تھی۔ جو زندگی اور موت کا دیوتا تھا۔ اس کا بت بیل پر سوار دکھایا جاتا۔ جو تولیدی قوت کا مظہر تھا۔ ان کا خیال تھا کہ زمین کی زرخیزی بعل اور اس کی شریک حیات آستارتہ Astarte دیوی کے جنسی اختلاط کے عمل کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ زمین کی زرخیزی کو یقینی بنانے کے لیے وہ دیوتاؤں کے مقدس جنسی اختلاط (Prostitution) کی نقل بھی کیا کرتے تھے۔"[3]

(۳) عرب اور تصورِ خدا

عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے، بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہے، خدا کوئی چیز نہیں، انہی لوگوں کی نسبت قرآن مجید میں ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۔[4]

---

[2] ارشد محمود، تصورِ خدا، فکشن ھاؤس لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۱۷۔۱۸

Arshad mehmood, tasawar-e-Khuad, Fiction house, Lhr, 2017, p17-18

[3] ایضاً: ص۱۹　　Ibid, p19

[4] الجاثیہ: ۲۴　　Al Qur'ān:45: 24

"اور وہ کہتے ہیں: ہماری دنیوی زندگی کے سوا (اور) کچھ نہیں ہے ہم (بس) یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانے کے (حالات وواقعات کے) سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا (گویا خدا اور آخرت کا مکمل انکار کرتے ہیں)"

بعض خدا کے قائل تھے، لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے 'بعض خدا' اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے، لیکن نبوت کے منکر تھے 'ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا۝[5]

"اور وہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے، یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ وہ اس کے ساتھ (مل کر) ڈر سنانے والا ہوتا۔"

(۴) یہودیت اور عیسائیت میں تصور خدا

یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا جب کہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے تھے۔ قرآن حکیم نے مذکورۃ اہل کتاب کے عقیدے کو بیان کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ۝[6]

(۵) فلاسفرز اور تصورِ خدا

فلاسفرز کے ہاں عمومی طور پر خدا کے بارے میں دو طرح کی آرا پائی جاتی ہیں۔ خدا کا مشخص وجود یا غیر مشخص وجود، فلاسفرز کے نقطہ نظر کو بیان کرتے ہوئے قاضی قیصر الاسلام رقمطراز ہیں:

"کچھ فلاسفہ خدا کو "غیر شخصی مطلق وجود" کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ اس نظریے کے مویدین میں۔ اسپنوزا، فشٹے، ہارٹمین (Hartmann)، بریڈلے، اور میکٹگارڈ (Mctaggard) قابل ذکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ شخصیت کا تصور کسی نہ کسی تجسیم سے متعلق ہے جو اپنی ایک مخصوص ساخت رکھتا ہے۔ ان فلاسفہ کے نزدیک تفکر کا نفسی عمل، عمل احساس اور عمل خواہش، اپنا وظیفہ خلا میں ادا نہیں کر سکتے۔ خود آگہی اور خود ضابطگی کی صفات کا تعلق انسانوں کے عصبی نظام سے ہے۔ ان کے نزدیک شخصیت کے ساتھ تجدید یا حد بندی اور امتیاز کا اطلاق ہوتا ہے۔ مطلق کا تصور تمام امتیازات اور حدود سے ماورا ہے اور یہ ہر اعتبار سے لامحدود ہے چنانچہ خدا کے شخصی وجود کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ لاوتزے، گرین (Green) اور کیئرڈ (Caird)۔ جیسے فلاسفہ نے تشخص خداوندی کی تائید کی ہے۔

[5] الفرقان:۷ Al Qur'ān:25: 7

[6] التوبہ:۳۰ Al Qur'ān:9: 30

ان کا کہنا ہے کہ "مکمل شخصیت" کا تصور خدا میں ممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسانوں میں خود آگہی کا وصف بدرجہ اکمل نہیں ہے۔ چونکہ انسان مختلف النوع حد بندیوں کی زد میں ہے اس لیے اس کی شخصیت بھی ناقص و نامکمل ہے۔ خدا چونکہ لامحدود علم و احساس اور ارادے کی حامل ذات ہے اس لیے وہ ہی (خدا) ایک مکمل شخصیت یا ذات ہے۔ خدا ماضی، حال اور مستقبل سے ایک "ابدی حال" کی حیثیت سے آگاہ ہے۔ چنانچہ خدا کو "مشخص وجود" کی حیثیت میں متصور کیے جانے میں کوئی منطقی ناہمواری نہیں پائی جاتی۔ لاؤتزے کہتا ہے کہ، مکمل تشخص صرف خدا میں ہو سکتا ہے، جب کہ انسان میں اس تشخص کا صرف منحنی اور دھندلا سا عکس نظر آتا ہے۔"[7]

2- انکارِ خدا کے حوالے سے شبہات

قدیم مذاہب میں تصورِ خدا اور خدا کے بارے نظریات کے بعد اب اہم سوال یہ ہے کہ فلسفہ، ادب اور جدید سائنسی نظریات نے کس طرح تشکیک، الحاد اور دھریت کو پیدا کیا جس کی وجہ سے انکارِ خدا کی تحریک کو وسعت ملی' ذیل میں چند شبہات واعتراضات ملاحظہ کیجیے'

۱۔ قدیم زمانے کا انسان سادہ طور پر یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا کرنے والا خدا ہے۔ مگر جدید ذرائع اور جدید طرز تحقیق کی روشنی میں دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ہر واقعہ کے پیچھے ایک ایسا سبب موجود ہے جس کو تجربہ کر کے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً: نیوٹن کے مشاہدے میں آیا کہ آسمان کے تمام ستارے اور سیارے کچھ ناقابل تغیر قوانین میں بندھے ہوئے ہیں۔ اور انھیں کے تحت حرکت کرتے ہیں۔

۲۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء نے ثابت کیا کہ انسان کسی خاص تخلیقی حکم کے تحت وجود میں نہیں آیا بلکہ مادی ارتقاء کے نتیجے میں انسان بن گیا۔

۳۔ جرمن فلسفی کانٹ نے کہا: 'مجھے مادہ مہیا کرو' میں تمھیں بتا دوں گا کہ دنیا اس مادے سے کس طرح بنائی جاتی ہے۔

۴۔ نٹشے نے کہا کہ 'اب خدا مر چکا ہے۔' (نعوذ باللہ)

---

[7] قیصر الاسلام، قاضی، فلسفے کے بنیادی مسائل، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء، ص۳۳۹-۳۴۰

Qaisir-ul-Islam, Qazi, Falsafe ky Buniadi Masail, National Book Foundation, Isb, 2017, p339-340

۵۔ اس طرح یہ یقین کر لیا گیا کہ اس کائنات کا خالق اور مالک کوئی زندہ اور صاحب ذہن وارادہ ہستی نہیں ہے' بلکہ کائنات ازاول تا آخر ایک مادی کائنات ہے۔ کائنات کی ساری حرکتیں اور اس کے تمام مظاہر خواہ وہ ذی روح اشیاء سے متعلق ہوں یا بے روح اشیاء کے بارے میں ہوں اندھے مادی عمل کے سوا اور کچھ نہیں۔

٦۔ جب تک دوربین نہیں بنی تھی اور ریاضیات نے ترقی نہیں کی تھی اس وقت تک انسان نہیں جان سکتا تھا کہ سورج کیسے نکلتا ہے اور کیسے ڈوبتا ہے۔ چنانچہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس نے یہ فرض کر لیا کہ کوئی خدائی طاقت ہے جو ایسا کرتی ہے۔ مگر اب فلکیات کے مطالعہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ جذب وکشش کا ایک عالمی نظام ہے جس کے تحت سورج' چاند اور تمام ستارے اور سیارے حرکت کر رہے ہیں۔ اس لیے اب خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یعنی واقعات اگر فطری اسباب کے تحت صادر ہوتے ہیں تو وہ مافوق الفطری اسباب کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہو سکتے۔ اور ظاہر ہے کہ جب واقعات کے پیچھے مافوق الفطری اسباب موجود نہ ہوں تو کسی مافوق الفطرت ہستی کے وجود پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے۔

3- شبہات کا جواب

ا۔ مخالفین مذہب کے اس استدلال میں کیا کمزوری ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک شخص ریلوے انجن کو دیکھتا ہے کہ اس کے پہیے گھوم رہے ہیں اور وہ پٹڑی پر بھاگا چلا جا رہا ہے۔ اس کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہیے کیسے گھوم رہے ہیں۔ تحقیق کرنے کے بعد اس کی رسائی انجن کے پرزوں تک ہوتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ پرزوں کی حرکت سے پہیے گھوم رہے ہیں۔ کیا اس دریافت کے بعد وہ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو گا کہ انجن اپنے پرزوں کے ساتھ بذات خود ٹرین کی حرکت کا سبب ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ انجن سے پہلے انجینئر اور ڈرئیوار کو ماننا ضروری ہے۔ انجینئر اور ڈرائیور کے بغیر انجن کا نہ تو کوئی وجود ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی حرکت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ گویا انجن یا اس کا پرزہ آخری حقیقت نہیں۔ آخری حقیقت وہ ذہن ہے جو انجن کو وجود میں لایا ہے' اور اپنے ارادہ سے اس کو چلا رہا ہے۔ ایک مغربی عیسائی عالم نے بہت صحیح کہا کہ فطرت کائنات کی توجیہ نہیں کرتی' وہ خود اپنے لیے ایک توجیہ کی طالب ہے۔

٢۔ مخالفین مذہب جس انکشاف کو فطرت کی توجیہ کا نام دے کر اس کو خدا کا بدل ٹھہرا رہے ہیں اس کو فطرت کا طریق کار کہا جا سکتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا ان قوانین کے ذریعہ کائنات میں اپنا عمل کرتا ہے۔ جس کے بعض اجزاء کو سائنس نے دریافت کیا ہے۔ مولانا وحید الدین خان کے بقول:

"فرض کیجئے' مذہبی لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سمندروں میں جوار بھاٹا لانے والا خدا ہے۔ اب جدید دور کا ایک سائنس داں اٹھتا ہے اور ہم کو بتاتا ہے کہ جوار بھاٹا در حقیقت چاند کی کشش (Gravity-pull of the moon) اور دنیا کے سمندروں اور خشکی کے ٹکڑوں کی جغرافیائی وضع وہیئت (Geographical Configuration) کے سبب سے ہوتا ہے۔ سائنس داں کے اس مشاہدے کو ہمیں رد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بہت خوشی کے ساتھ ہم اسے قبول کرسکتے ہیں۔ مگر اس سے ہمارے عقیدے کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ صحیح ہے کہ طوفان' قوت کشش اور زمین کی جغرافیائی بناوٹ کے ذریعہ عمل کرتا ہے۔ مگر قوت کشش اور جغرافی بناوٹ کیا ہیں؟ وہ بھی خدا ہی کی مخلوق ہیں۔ وہ خدا ہی ہے جو ان ذرائع سے اپنا فعل انجام دیتا ہے۔ خدا آج بھی طوفان کا حقیقی سبب ہے۔"[8]

۳۔　　اسی طرح حیاتیات کے میدان میں نظریۂ ارتقاء کے حوالے سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حیاتیاتی عمل اب کسی ماورائے فطرت ذریعہ کی موجودگی کا تقاضا نہیں کرتا۔ دوسرے لفظوں میں زندگی کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے کسی باشعور خدا کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جدید مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ زندگی صرف چند مادی طاقتوں سے خود بخود حاصل ہونے والا ایک نتیجہ ہے جو خاص طور پر تین ہیں: ریپروڈکشن(Reproduction)، ویری ایشن (Variation) اور ڈیفرینشیئل سروائیول (Differential survival)۔ یعنی توالد وتناسل کے ذریعہ مزید زندگیوں کا پیدا ہونا، پیدا شدہ نسل کے بعض افراد میں کچھ فرقوں کا ظہور اور پھر ان فروق کا پشت ہا پشت میں ترقی کرکے مکمل ہو جانا۔ اس طرح مخالفین مذہب کے نقطہ نظر کے مطابق، ڈارون کے انتخاب طبیعی کے اصول کا حیاتیاتی مظاہر پر انطباق اس کو ممکن اور ضروری بنا دیتا ہے کہ زندگی کی نشوونما پر خدا کی کارفرمائی کے تصور کو بالکل ترک کر دیا جائے۔ مولانا وحید الدین خان کے بقول:

"انواع حیات اگر بالفرض ارتقائی عمل کے تحت وجود میں آئی ہوں' جب بھی یکساں درجہ کی قوت کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ خدائی تخلیق کا طریقہ ہے 'نہ کہ اندھے مادی عمل کا خود بخود نتیجہ۔ حقیقت یہ ہے کہ مشینی ارتقاء (Mechanical evolution) کو نہایت آسانی کے ساتھ تخلیقی ارتقاء (Creational

---

[8] وحید الدین خان، اسلام اور عصر حاضر، مکتبہ الرسالہ، دہلی، ۲۰۰۶، ص ۱۵-۱۶
Waheed-ud-Din Khan, Islam aur Asar-e-Hazir, Maktaba Al-risala, Dehli, 2006, p15-16

(Evolution) ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اور سائنس کے حوالے سے مذہب کی مخالفت کرنے والوں کے پاس اس کی تردید کی کوئی واقعی بنیاد نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو چیز مشاہدہ میں آئی ہے وہ ارتقاء ہے نہ کہ اس کی مشینیت۔"[9]

مگر بات صرف اتنی ہی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس نے بیسویں صدی میں پہنچ کر اپنے سابقہ یقین کو کھو دیا ہے۔ آج جبکہ نیوٹن کی جگہ آئن سٹائن نے لے لی ہے اور پلانک اور ہیزن برگ نے لاپلاس کے نظریات کو منسوخ کر دیا ہے، اب مخالفین مذہب کے لیے کم از کم علمی بنیاد پر، اس قسم کا دعویٰ کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ نظریہ اضافت (Relativity) اور کوانٹم تھیوری نے خود سائنس دانوں کو اس نتیجہ تک پہنچایا ہے کہ وہ اس بات کا اعتراف کرلیں کہ یہ ناممکن ہے کہ سائنس میں مشاہد (Observer) کو مشاہدہ سے الگ کیا جاسکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی چیز کے صرف چند خارجی مظاہر کو دیکھ سکتے ہیں، اس کی اصل حقیقت کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ بیسویں صدی میں سائنس کے اندر جو انقلاب ہوا ہے اس نے خود سائنسی نقطۂ نظر سے مذہب کی اہمیت ثابت کر دی ہے۔

۴۔ خدا کا وجود حسی اور مادی نہیں ہے بلکہ مابعد الطبیعی ہے۔ عام طور پر کسی چیز کے وجود کو جاننے کے لیے ہمارے پاس جو ذرائع و وسائل ہیں وہ حواس ہیں۔ سائنس اپنا علم انہی حواس کے ذریعہ حاصل کرتی ہے لیکن حواس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ محض مادی اور حسی دنیا تک محدود ہے۔ جو چیزیں ان سے ماوراہیں 'یعنی طبیعی کے بجائے مابعد الطبیعی ہیں' ان کو جاننے کے لیے حواس ناکافی ہیں۔ سائنس کی صورت حال یہ ہے کہ:

(i) اس کا دائرہ کار حسی اور طبیعی دنیا تک محدود ہے۔ اس سے باہر کے بارے میں وہ خاموش ہے اور کچھ نہیں کہہ سکتی ہے۔

(ii) طبیعی دنیا میں بھی سائنس کا مطالعہ جزوی ہے کُلی نہیں۔ وہ ایک خاص پہلو یا جزو کا مطالعہ کرتی ہے پوری حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔

(iii) اس کا طریق مطالعہ، مشاہدے اور تجربے پر مبنی ہے اور ایک خاص طریق عمل کے ذریعے سے اس کی حاصل شدہ معلومات سے قوانین، نظریات اور طبیعی نظام کے بارے میں تصورات قائم کیے جاتے ہیں۔ یہ ساری معلومات ظنی ہوتی ہیں، انہیں درجہ 'یقین حاصل نہیں ہوتا۔ ابتدائی درجے میں نسبتاً یقین کا عنصر سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جوں جوں نظریات اور تعبیرات کا حصہ بڑھتا جاتا ہے ظن و تخمین کا عنصر بھی

---

[9] وحید الدین خان، مولانا، اسلام اور عصر حاضر، مکتبہ الرسالہ، دہلی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۸
Waheed-ud-Din Khan, Islam aur Asar-e-Hazir, Maktaba Al-risala, Dehli, 2006, p18

بڑھتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ایک دور کے سائنسی تصورات دوسرے دور کے سائنسی تصورات کی تکذیب کر دیتے ہیں اور سر جیمس جینز کے بہ قول سائنس کا دریا الٹے رخ پر بہنے لگتا ہے۔

(iv) سائنس کے مختلف شعبوں کے حاصل کردہ نتائج ایک دوسرے سے متصادم بھی ہوتے ہیں، اکثر ایسا ہوا ہے کہ فزکس اگر ایک سمت میں راہنمائی کرتی ہے تو بیالوجی ایک دوسری سمت میں اور سائیکالوجی ایک تیسری سمت میں۔ اس لیے کسی ایک کو سائنس کہنا اور دوسرے کو نظر انداز کر دینا غیر حقیقت پسندانہ رویہ ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر یہ کہنا کہ سائنس خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے، ایک بے سروپا اور غیر عقلی دعویٰ ہے۔ یہ سوال ہی سائنس کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ وہ اس کے بارے میں بہ جز خاموشی کے اور کوئی موقف اختیار نہیں کر سکتی۔ پروفیسر خورشید احمد کے بقول:

”جہاں تک خالص سائنٹیفک طریقہ کا سوال ہے وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے حقائق کی اس نئی دنیا کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا جس کا تعلق مابعد الطبیعات سے ہے۔ کیونکہ خدا کے وجود کا ادراک حواس کے ذریعے نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود عقل سلیم کی راہنمائی کے لیے انفس و آفاق میں بے شمار شواہد موجود ہیں اور خود سائنس کی فراہم کردہ معلومات میں لاتعداد نشانیاں موجود ہیں جو ایک مدبر اور صاحب امر ہستی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو دیکھنے والی آنکھ اور سوچنے والا دماغ رکھتا ہو اس کائنات کے حقائق کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ یہ کارخانہ رنگ و بو ایک حکیم اور دانا خالق اور فرماں روا کے بغیر نہ وجود میں آسکتا تھا اور نہ قائم رہ سکتا ہے۔ زمین سے لے کر آسمان تک ساری کائنات ایک مکمل نظام ہے اور یہ پورا نظام ایک زبردست قانون کے تحت چل رہا ہے جس میں ہر طرف ایک ہمہ گیر اقتدار، ایک بے عیب حکمت، ایک بے خطا علم کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کا ایک فرماں روا ہے۔ نظم کا تصور ایک ناظم کے بغیر، قانون کا تصور ایک حکمران کے بغیر، حکمت کا تصور ایک حکیم کے بغیر، علم کا تصور ایک عالم کے بغیر، اور سب سے بڑھ کر خلق کا تصور ایک خالق کے بغیر آخر کس طرح آسکتا ہے۔ یہ کائنات ایک منصوبے کے تحت کام کر رہی ہے۔ کیا یہ منصوبہ ایک منصوبہ کار کے بغیر ہی جاری و ساری ہو گیا ہے؟ اس کائنات میں کمال درجے کا حسن و توازن ہے۔ یہ حسن و توازن ایک مشغلہ کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ اس میں ایک ہمہ گیر اخلاقی قانون کارفرما ہے جو خیر کو قائم رکھتا اور شر کو

ختم کرتا ہے۔ یہ اخلاق انتخاب ایک صاحب ارادہ ہستی کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ یہ کائنات ایک مسلسل، مربوط اور معنی خیز کتاب کے مانند ہے۔ کیا اس کتاب کا کوئی مصنف نہیں؟"[10]

ہم اس کائنات کے آغاز پر غور کریں تو ہمیں محسوس ہو گا کہ اس کے لیے کسی خالق کی موجودگی ضروری ہے۔ علت و معلول کا سلسلہ جہاں تک بھی چلا جائے۔ ایک نقطۂ آغاز یقیناً ماننا پڑے گا۔ اس سلسلے میں دورائیں ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جو خدا کو نہ ماننے والے کہتے ہیں' یعنی یہ کہ آغاز مادے سے ہوا، دوسرا وہ جو خدا کے ماننے والے کہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آغاز ایک ذی شعور اور صاحب ارادہ ہستی سے ہوا۔ ان دونوں کے دلائل کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں مفروضے ہیں' کوئی تجرباتی یا مشاہداتی دلیل کسی ایک کے حق میں نہیں پیش کی جاتی۔ البتہ جو بات خدا کے وجود کے حق میں کہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان ذی شعور ہستی ہے اور مادہ سے محروم ہے۔ سوال یہ ہے کہ شعور سے محروم چیز یعنی مادہ۔ ایک صاحبِ شعور کو کیسے جنم دے سکتا ہے؟ اس لیے کہ شعور مجرد مادے سے بہت بلند ہے۔ لیکن، اگر خدا کو، جو خود صاحب شعور ہے، تسلیم کر لیا جائے تو یہ مشکل رفع ہو جائے۔ اسی طرح مادے کو نقطۂ آغاز مان کر کائنات کے تمام حقائق کی توجیہ نہیں کی جا سکتی لیکن ایک بااختیار و صاحب ارادہ ہستی کو مبتدا ماننے کے بعد کوئی الجھن باقی نہیں رہتی اور تمام مسائل آپ سے آپ حل ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد کے بقول:

"اگر ہم خدا کے وجود کو تسلیم نہ کریں اور کائنات کا مبدا مادے کو قرار دیں تو انسانی اور حیوانی وجود کی تشریح بڑی مشکل نظر آتی ہے۔ سرسری طور پر بڑی آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ مختلف اجزا ایک تناسب سے ملے اور پودے وجود میں آ گئے' یا دوسرے اجزا کسی اور تناسب سے ملے اور حیوان یا انسان وجود میں آ گئے' لیکن جدید سائنسی ترقیوں کی بنا پر ایسے 'اتفاقات' کو ماننا بڑا مشکل ہو گیا ہے"[11]

(۵) خالق نے مخلوق کے لیے ہر معاملے میں شبہے کا ایک پہلو باقی رکھا ہے اور اس پہلو کے باقی رکھنے کے لیے مقصد آزمائش اور اختیار ہے۔ اگر شبہہ ختم ہو جائے تو انسان کی آزمائش اور اختیار ختم ہو جاتے ہیں اور انسان جب تک اس دنیا میں ہے، آزمائش اور اختیار میں رہنا اس کا مقدر ہے۔ انسان کی آزمائش اور اختیار اسی صورت ختم ہو گا جبکہ اس دنیا کا خاتمہ ہو جائے۔ شبہے کا یہ پہلو اس قدر عام ہے کہ خود خالق نے اپنے بارے میں بھی اس کو برقرار رکھا ہے

---

[10] خورشید احمد، اسلامی نظریۂ حیات، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامع کراچی،، ۲۰۰۲ء، ص ۱۹۱۔۱۹۲

Khoursheed Ahmed, Islami Nazria-e-Hayat, department of translation and publication, Karachi University, 2006, p191-192

[11] ایضاً: ص ۱۹۳

Ibid, p193

کہ اسی میں انسان کا امتحان اور اختیار ہے۔ پس کسی انسان کو اللہ، رسول، کتاب اور آخرت کے بارے میں کوئی شبہ اور وسوسہ لاحق ہو سکتا ہے۔ انسان کے اختیار کا امتحان اس میں ہے کہ وہ اس شبہے کے عنصر کو رد کر کے دنیا کی آزمائش میں کیسے کامیاب ہوتا ہے؟ جو اس شبہے کے امتحان میں کامیاب ہو جائے تو وہ مومن کہلاتا ہے اور جو ناکام ہو جائے تو ملحد بن جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"کہ اللہ عزوجل نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ ﷺ کی امت میں سے ہمیشہ لوگ یہ کہتے رہیں گے کہ اسے تو اللہ نے پیدا کیا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟"[12]

شبہے یا وسوسے کا پیدا ہونا ایمان کے لیے مضر نہیں ہے بلکہ یہ تو عین ایمان ہے اور صحابہ بھی اس سے بری نہیں تھے۔ کچھ صحابہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا:

"اے نبی ﷺ! ہمیں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ہم انہیں زبان پر لانا بھی مناسب نہیں سمجھتے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا واقعتاً ایسا ہے؟ تو انھوں نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے کہا: یہ تو صریح ایمان ہے۔"[13]

بعض ملحدین یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ حق ان کے لیے ایسے واضح ہو جائے کہ اس میں سے شبہے کا پہلو ختم ہو جائے۔ تو یہ اس دنیا میں ممکن نہیں ہے، البتہ آخرت میں ممکن ہے بلکہ آخرت میں ایسا ہی ہو گا۔ فرشتوں کے لیے شبہے کا پہلو نہیں ہے لہذا ان کے لیے امتحان اور اختیار بھی نہیں ہے۔ اگر انسانوں کے لیے بھی شبہے کا پہلو ختم ہو جائے تو ان کا امتحان اور اختیار دونوں ختم ہو جائیں۔ اگر انسان اللہ کو اس طرح سامنے دیکھ لے جیسا کہ آخرت میں دیکھے گا یا جنت و جہنم کا اس دنیا میں اس طرح نظارہ کر لے جیسا کہ آخرت میں کرے گا تو اب اس سے ایمان کے مطالبے میں کیا امتحان باقی رہ جائے گا؟ قرآن مجید نے جابجا یہ واضح کیا ہے کہ کافر جب جہنم کو دیکھیں گے تو اپنے ایمان کا اظہار کریں گے لیکن ان کا وہ ایمان قابل قبول نہ ہو گا کیونکہ ایمان وہی مقبول ہے جو کہ شبہے کے پہلو کے ساتھ ہو کہ یہی ایمان، امتحان کہلانے کے لائق ہے۔

سورۃ الانعام میں ہے کہ مشرکین مکہ بار بار آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیں فلاں معجزہ دکھا دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ مشرکین کا یہ مطالبہ اصرار کے ساتھ کئی سال جاری رہا' لیکن اللہ

---

[12] القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الایمان، باب بیان الوسوسہ، ۱/۱۲۱

Al-Qushairi, Muslim bin Hajaj, Al-Jamia us-Sahih, Kitab-ul-Eman, biyaan-ul-vasvasa, vol.1, p.121

[13] ایضاً، ص121

Ibid, p.121

عزوجل نے ہر بار اپنے نبی ﷺ سے یہی کہا کہ اللہ نے انہیں وہ معجزہ نہیں دکھانا کہ جس کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ انہیں معجزہ چاہیے تو وہ کلام الٰہی ہے، قرآن مجید ہے' مشرکین نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ہمارے سامنے آپ ﷺ پر فرشتہ نازل ہو تو ہم ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ فرشتہ جب نازل ہو گا تو وہ عذاب لے کر ہی آئے گا۔یعنی میں فرشتہ تو تمہیں دکھادوں گا لیکن اس کے بعد تمہارے ایمان کا فائدہ؟ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ[14]

"وہ فقط اسی انتظار میں ہیں کہ ان کے پاس (عذاب کے) فرشتے آپہنچیں یا آپ کا رب (خود) آجائے یا آپ کے رب کی کچھ (مخصوص) نشانیاں (عیاناً) آجائیں۔(انہیں بتادیجئے کہ) جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں (یوں ظاہراً) آپہنچیں گی (تو اس وقت) کسی (ایسے) شخص کا ایمان اسے فائدہ نہیں پہنچائے گا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان (کی حالت) میں کوئی نیکی نہیں کمائی تھی، فرمادیجئے: تم انتظار کرو ہم (بھی) منتظر ہیں۔"

ڈاکٹر حافظ زبیر احمد کے بقول:

"قوموں نے رسول کی زندگی میں ان کا انکار کیا اور آج کل کے ملحدوں نے تو رسولوں کو دیکھا بھی نہیں۔ لہٰذا مومنوں کو اس پر حسرت نہیں کرنی چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں ہے کہ جس کے سامنے ایک ملحد بے بس ہو جائے۔ اور جو کچھ دین اسلام کی تعلیمات موجود ہیں تو ان میں اگر کچھ شبہہ وغیرہ کبھی محسوس ہو بھی تو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے کہ یہی تو عین ایمان ہے۔"[15]

4- وجودِ باری تعالیٰ کا اثبات، نقلی دلائل کی روشنی میں

اللہ اُس ہستی کا نام ہے جو زمین و آسمان اور تمام مخلوقات کی خالق ہے۔ اِس میں "الف لام" تعریف کے لیے ہے اور یہ نام اِبتدا ہی سے پروردگارِ عالم کے لیے خاص رہا ہے۔ نبی ﷺ سے پہلے عرب جاہلیت میں بھی یہ اِسی

[14] الانعام:۱۵۸
Al Qur'ān:6: 158

[15] زبیر احمد، ڈاکٹر، وجودِ باری تعالیٰ، دار الفکر الاسلامی، لاہور، ص ۹-۱۱۲
Zubair Ahmed, Dr., Wajood-e-Bari Taa'la, Dar-ul-Fikr-ul-Islami, Lhr, p9-112

مفہوم کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ دین ابراہیمی کے جو باقیات عربوں کو وراثت میں ملی تھیں، یہ لفظ بھی اُنھی میں سے ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ [16]

”اور اگر تم اِن سے پوچھو کہ آسمان سے کس نے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے سے زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اُسے زندہ کر دیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ (اِن سے) کہو، شکر اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن اِن میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔“

(ا)　فطرت انسانی سے دلیل

قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ خدا کی ربوبیت کا اقرار ایک ایسی چیز ہے جو ازل ہی سے انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ قرآن کا بیان ہے کہ یہ معاملہ ایک عہد و میثاق کی صورت میں ہوا ہے۔ اِس عہد کا ذکر قرآن مجید ایک امر واقعہ کی حیثیت سے کرتا ہے۔ انسان کو یہاں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے، اِس لیے یہ واقعہ تو اُس کی یادداشت سے محو کر دیا گیا، لیکن اِس کی حقیقت اُس کے صفحۂ دل پر نقش اور اُس کے نہاں خانۂ دماغ میں پیوست ہے، اِسے کوئی چیز بھی محو نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ماحول میں کوئی چیز مانع نہ ہو اور انسان کو اِسے یاد دلایا جائے تو وہ اِس کی طرف اِس طرح لپکتا ہے، جس طرح بچہ ماں کی طرف لپکتا ہے، دراں حالیکہ اُس نے کبھی اپنے آپ کو ماں کے پیٹ سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا، اور اِس یقین کے ساتھ لپکتا ہے، جیسے کہ وہ پہلے ہی اُس کو جانتا تھا۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ خدا کا یہ اقرار اُس کی ایک فطری احتیاج کے تقاضے کا جواب تھا جو اُس کے اندر ہی موجود تھا۔ اُس نے اِسے پالیا ہے تو اُس کی نفسیات کے تمام تقاضوں نے بھی اِس کے ساتھ ہی اپنی جگہ پالی ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ انسان کے باطن کی یہ شہادت قطعی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ [17]

---

[16] العنکبوت:۶۳　Al Qur'ān:29: 63

[17] الاعراف:۱۷۲۔۱۷۳　Al Qur'ān:7: 172-173

"اور یاد کرو، جب تمھارے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُنھیں خود اُن کے اوپر گواہ بنا کر پوچھا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ اُنھوں نے جواب دیا: ضرور، آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اِس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اِس سے بے خبر ہی تھے۔"

"یہ شواہد اگرچہ کافی تھے، مگر لوگوں پر اتمام حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مزید اہتمام یہ فرمایا کہ انسانیت کی ابتدا ایک ایسے انسان سے کی جس نے خدا کی بات سنی، اُس کے فرشتوں کو دیکھا اور اِس طرح حقیقت کے براہِ راست مشاہدے کی گواہی دے کر دُنیا سے رخصت ہوا تا کہ اُس کا یہ علم نسلاً بعد نسلٍ اُس کی اولاد کو منتقل ہوتا رہے اور خدا کا تصور انسانی زندگی کے کسی دور، زمین کے کسی خطے، کسی بستی، کسی پشت اور کسی نسل کے لیے کبھی اجنبی نہ ہونے پائے۔"[18]

فطرت کی پاکیزگی اور انسان کا اس کی طرف متوجہ ہونا اس کو سورۃ نور میں بھی بیان کیا گیا ہے:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ[19]

"اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔ دل کے اندر اس کے نور ایمان کی تمثیل یوں ہے کہ ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ ہو، چراغ ایک شیشہ کے اندر ہو، شیشہ ایک چمکتے تارے کی مانند ہو چراغ ایک ایسے شاداب درخت زیتون کے روغن سے جلایا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی' اس کا روغن اتنا شفاف ہو کہ گویا آگ کے چھوئے بغیر ہی بھڑک اٹھے' روشنی کے اوپر روشنی! اللہ اپنے نور کی ہدایت جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور اللہ یہ تمثیلیں لوگوں کی رہنمائی کے لئے بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے" سورۃ نور کی درج بالا آیت میں زیتون کے صاف شفاف تیل سے مراد فطرت کا صاف ستھرا ہونا ہے اور آگ کے نور سے مراد وحی کی روشنی ہے۔ نور علی نور میں پہلے نور سے مراد وحی الٰہی ہے اور دوسرے نور سے مراد فطرت کا نور ہے۔

(۲) تخلیق ارض و سما سے دلیل

اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا خالق ہے، سوال یہ ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق میں حیرت انگیز قدرت کیسے پیدا ہو گئی؟ اس سوال کو اللہ تعالیٰ نے خود انسانوں کے سامنے رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[18] غامدی، جاوید احمد، میزان، ماڈل ٹاؤن، ۲۰۰۸ء، ص ۸۹۔۹۰

Ghamidi, Javed Ahmed, Mezaan, Model Town, 2009, 89-90

[19] النور: ۳۵

Al Qur'ān:24: 35

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ[20]

"کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے یا وہی اپنے خالق ہیں۔ انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (یہ کوئی نئی بات نہیں) بلکہ ان کو یقین نہیں ہے۔" پروفیسر خورشید احمد کے بقول:

"دنیا اور کائنات جس میں انسان بھی شامل ہے' اور جو اپنے عمل اور فہم کی بنا پر سب سے بالاتر ہے' یہ بہر حال موجود ہے' اور اس کے اس وجود میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی کے بن بنائے وہ آپ سے آپ بن گئی ہے، یا خود اس نے اپنے آپ کو بنالیا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ نہ آپ سے آپ کوئی چیز بن سکتی ہے اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہو سکتا ہے، اگر کوئی بے وقوف یہ کہے کہ نر و مادہ مل کر اپنا بچہ پیدا کرتے ہیں تو اس سے پوچھنا ہوگا کہ سلسلہ توالد و تناسل کا آغاز کیوں کر ہوا اور اوّلاً نر و مادہ کا خالق کون ہے؟"[21]

اسی طرح سورۃ 'الجاثیہ' کی زیرِ نظر آیتِ کریمہ سے دہریوں کے عقیدے کی بھی نفی ہو جاتی ہے جن کا عقیدہ یوں بیان ہوا ہے:

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ[22]

"ہماری صرف یہ دُنیاوی زندگی ہے جس میں ہم مرتے اور زندہ رہتے ہیں اور ہمیں گردش لیل و نہار ہلاک کرتی ہے۔"

(۳) گردشِ لیل و نہار سے دلیل

یہ گونا گوں عالم، درخت، پہاڑ، سمندر، دریا، چاند، ستارے، آسمان، یہ اسباب و علل کا تسلسل، یہ کائنات کا نظم، انسان کی اندرونی طاقتیں اور ان کی باہمی ترتیب... یہ تمام اشیا کسی خالق و صانع (بنانے والے) کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ[23]

---

[20] الطور:۳۵-۳۶ — Al Qur'ān:52: 35-36

[21] خورشید احمد، اسلامی نظریۂ حیات، شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ۲۰۰۲ء، ص۱۹۷-۱۹۸
Khoursheed Ahmed, Islami Nazria-e-Hayat, department of translation and publication, Karachi University, 2006, p197-198

[22] الجاثیہ:۲۴ — Al Qur'ān:45: 24

[23] آل عمران:۱۹۰ — Al Qur'ān:3: 190

”آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

سورۃ ’الذریات‘ میں خالق ارض وسماء نے ارشاد فرمایا:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ [24]

”اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمھاری جانوں کے اندر کیا تم دیکھتے نہیں۔“

ان آیات میں تین طرح کے دلائل پیش کیے گئے ہیں:

- قدرت کے عجائبات اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا۔
- عالم کا نظم ونسق اور اس کا مرتب (Compiled) سلسلہ۔
- کائنات اور سلسلہء عالم کی ہر کڑی میں بے انتہا مصلحتوں، حکمتوں اور فائدوں کا ہونا۔

درج بالا آیات پر اگر تدبر کی نگاہ ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ اِس میں شروع سے لے کر آخر تک اس کائنات کے متقابل، بلکہ متضاد اجزا و عناصر کا حوالہ دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اُن کے حیرت انگیز اتحاد اور بے مثال سازگاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اُن کے اندر اِس کائنات کی مجموعی خدمت کے لیے پائی جاتی ہے۔ آسمان کے ساتھ زمین، رات کے ساتھ دن، کشتی کے ساتھ دریا، بظاہر دیکھیے تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ضدین (Contradiction) کی نسبت رکھتے ہیں تو دوسری طرف اِس کائنات کی خانہ آبادی کے نقطۂ نظر سے آپس میں زوجین کا سا ربط واتصال (Relation) بھی رکھتے ہیں۔ یہ آسمان اور اِس کے چمکتے ہوئے سورج اور چاند نہ ہوں تو ہماری زمین کی ساری رونقیں اور بہاریں ختم ہو جائیں، بلکہ اِس کی ہستی ہی ختم ہو جائے۔ اِسی طرح یہ زمین نہ ہو تو کون بتا سکتا ہے کہ اِس فضا کے بے شمار ستاروں اور سیاروں میں سے کس کس کا گھر اجڑ کے رہ جائے۔

(۴) بے مثل تخلیق کے حوالے سے دلیل

اس کائنات کی تخلیق میں کوئی خلل نہیں، یہ بے مثل کائنات ہے۔ اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ [25]

”(کائنات اور اس کی ہر چیز) اُس اللہ کی صنعت (کاریگری) ہے جس نے ہر شے کو مضبوط نظام پر بنایا۔“

اُس کی صنعت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ اس میں مستحکم نظم ونسق اُس کے ایک ہونے کی کامل دلیل ہے۔

---

[24] الذاریات:۲۰۔۲۱ — Al Qur’ān:51: 20-21

[25] النمل:۸۸ — Al Qur’ān:27: 88

سورۃ الملک میں ارشاد ہوا:

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ [26]

"نہیں نظر آئے گا (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل، ذرا پھر نگاہ اُٹھا کر دیکھ کیا کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔"

درج بالا آیات میں جو دعویٰ کیا گیا ہے یہ دعویٰ یقیناً ایسی ہستی ہی کر سکتی ہے جو ایک ہو، مدبر ہو اور سب سے بڑھ کر منتظم ہو۔

(۵) اضداد کے توافق کے پہلو سے دلیل

سورۃ الرحمٰن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ۙ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ [27]

"اسی نے دو سمندر رواں کئے جو باہم مل جاتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے وہ (اپنی اپنی) حد سے تجاوز نہیں کرسکتے۔ پس تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

سورۃ الرحمٰن کی درج بالا آیات کی تفسیر کرتے ہوئے امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"یہ اوپر کے دعوائے توحید کی دلیل اس کائنات کے اضداد میں توافق کے پہلو سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کے ہر گوشے میں بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے، طلوع کے ساتھ غروب، دن کے ساتھ رات اور سردی کے مقابل میں گرمی ہے تو اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس کے اندر مختلف ارادے اور مشیّتیں کارفرما ہیں۔ انسان اگر اس کی تہہ میں جھانک کر دیکھے تو معلوم ہو گا کہ اس کے ہر تضاد کے اندر نہایت گہرا توافق اور نہایت عمیق سازگاری ہے۔ ہر چیز اپنے مقابل کے ساتھ مل کر ایک بالاتر مقصد کی خدمت میں لگی ہوئی ہے جو اس بات کی شہادت ہے کہ درحقیقت ایک ہی ارادہ اس تمام کائنات پر حکمران ہے جو اس کے تمام اضداد کو اپنی حکمت کے تحت کائنات کے مجموعی مفاد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ فرمایا: کہ دیکھو، وہ دو دریاؤں کو چھوڑتا ہے، ایک کھاری ہوتا ہے، دوسرا شیریں، دونوں آپس میں ٹکراتے ہیں' لیکن خدائے قادر و حکیم دونوں کے درمیان ایک ایسا غیر مرئی پردہ ڈال دیتا ہے کہ وہ دونوں ملتے بھی ہیں اور الگ الگ اپنے مزاج پر قائم بھی رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ کھاری دریا شیریں یا شیریں دریا کھاری بن جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ظاہری تضاد کو دیکھ کر اس مغالطہ میں پڑ گئے کہ اس کے

---

[26] الملک:۳ — Al Qur'ān:67: 3

[27] الرحمٰن:۱۹-۲۱ — Al Qur'ān:55: 19-21

اندر متضاد ارادے کار فرما ہیں اور پھر انہوں نے اپنے اپنے تصور کے مطابق اپنے الگ الگ دیوتا بنا لیے ان کی نظر اس توافق پر نہیں پڑی جو ہر تضاد کے اندر موجود ہے اور جو توحید کی سب سے بڑی حجت ہے۔"[28]

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ کائنات اضداد کی رزم گاہ ہے؟ جس میں مختلف ارادوں اور قوتوں کی کشمکش برپا ہے یا ایک ہی حکیم اور مدبر ارادہ اِن سب پر حاکم و فرماں رواہے جو اِن تمام عناصر مختلفہ کو اپنی حکمت کے تحت ایک خاص نظام اور ایک مجموعی مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ اِس کائنات کے مشاہدے سے دوسری بات پیثابت ہوتی ہے۔ پھر مزید غور کیجیے تو یہیں سے ایک اور بات بھی نکلتی ہے، وہ یہ کہ یہ دُنیا آپ سے آپ وجود میں نہیں آئی ہے اور نہ اِس کے اندر جو اِرتقا(Evalution) ہوا ہے، وہ آپ سے آپ ہوا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اِس کے مختلف عناصر میں بلا مقصد وہ ساز گاری کہاں سے پیدا ہوتی جو اِس کائنات کے ہر گوشے میں موجود ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اسے ایک حکیم، دانا، قادر مطلق صانع (بنانے والا) نے اپنی قدرت اور ارادے سے تخلیق کیا ہے۔

5- وجودِ باری تعالیٰ کا اثبات، عقلی دلائل کی روشنی میں

ذیل میں وجودِ باری تعالیٰ کے حوالے سے عقلی دلائل کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔

(ا) اقرار ذات اور ہمہ پہلو سوالات کی توجیہ

ہم اس کائنات کے آغاز پر غور کریں تو ہمیں محسوس ہو گا کہ اس کے لیے کسی خالق کی موجودگی ضروری ہے۔ علت و معلول کا سلسلہ جہاں تک بھی چلا جائے۔ ایک نقطۂ آغاز یقیناً ماننا پڑے گا۔ اس سلسلے میں دو آراء ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جو خدا کو نہ ماننے والے دیتے ہیں، یعنی یہ کہ آغاز مادے سے ہوا، دوسرا وہ جو خدا کے ماننے والے کہتے ہیں۔ یہ کہ آغاز ایک ذی شعور اور صاحب ارادہ ہستی سے ہوا۔ ان دونوں کے دلائل کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں مفروضے ہیں، کوئی تجرباتی یا مشاہداتی دلیل کسی ایک کے حق میں نہیں پیش کی جاتی۔ البتہ جو بات خدا کے وجود کے حق میں کہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان ذی شعور ہستی ہے اور مادہ شعور سے محروم ہے۔ سوال یہ ہے کہ شعور سے ایک محروم چیز یعنی مادہ۔ ایک صاحبِ شعور کو کیسے جنم دے سکتا ہے؟ اس لیے کہ شعور مجرد مادے سے بہت بلند ہے۔ لیکن 'اگر خدا کو' جو خود صاحب شعور ہے' تسلیم کر لیا جائے تو یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ مادے کو نقطۂ آغاز مان

[28] اصلاحی، امین، احسن، مفسر، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۷ء، ج۸، ص ۱۳۴

Islahi, Amen, Mufassir, Tadbir faoundation, Faran Foundation, Lhr, 2007, J-8, p134

کر کائنات کے تمام حقائق کی توجیہ نہیں کی جاسکتی لیکن ایک بااختیار و صاحب ارادہ ہستی کو مبدا ماننے کے بعد کوئی الجھن باقی نہیں رہتی اور تمام مسائل آپ سے آپ حل ہو جاتے ہیں۔

"مزید بر آں، اگر خدا کے وجود کو تسلیم نہ کریں اور کائنات کا مبدا مادے کو قرار دیں تو انسانی اور حیوانی وجود کی تشریح بڑی مشکل نظر آتی ہے۔ سر سری طور پر بڑی آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ مختلف اجزا ایک تناسب سے ملے اور پودے وجود میں آگئے' یا دوسرے اجزا کسی اور تناسب سے ملے اور حیوان یا انسان وجود میں آگئے' لیکن جدید سائنسی ترقیوں کی بنا پر ایسے 'اتفاقات' کو ماننا بڑا مشکل ہو گیا ہے۔"[29]

(۲) نظریہ ارتقائے کائنات اور خالق کی ضرورت کا احساس

ارتقائے کائنات کے مسئلہ پر جتنا غور کیا جائے ایک خالق اور رب کی ضرورت کا احساس اتنا ہی شدید ہوتا جاتا ہے۔ نظریۂ ارتقا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات میں زندگی کے ظہور سے قبل بے شمار غیر معمولی اور ہمہ گیر تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ زمین نے ایک خاص ہیئت اختیار کی، ہوا اور پانی کی ایک مخصوص شکل قائم ہوئی۔ موسم کا نظام اور ٹمپریچر زندگی کے قیام اور بقا کے لیے ساز گار ہوئے۔ ان گنت تبدیلیوں کے بعد یہ زمین انسان کا مستقر بننے کے لیے تیار ہوئی اور پھر زندگی کا ظہور ہوا۔ سوال یہ ہے کہ اتنی منظم، مرتب اور منضبط تبدیلیاں۔ آپ سے آپ کیسے واقع ہو سکتی ہیں؟ ہر چیز ایک دوسرے سے پیوست ہو اور تمام تبدیلیوں کے تعاون و توافق سے زندگی کے آئندہ مراحل طے ہونے کے لائق بنیں۔ کیا ایک ہمہ گیر حکمت کے بغیر یہ سب متناسب تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں؟ کیا عقل اسے ماننے کے لیے تیار ہے کہ یہ سب محض ایک حادثہ اور اتفاق کی بنا پر ہو گیا۔ اگر اس کا نام 'حادثہ' اور 'اتفاق' ہے تو پھر لغت میں ان الفاظ کے معنی تبدیل کرنے پڑیں گے! خورشید احمد کے بقول:

"کیا کبھی ایسا 'اتفاق' بھی واقع ہوا ہے کہ حروف کو ایک ڈبے میں ڈال کر ہلایا گیا ہو اور جب ان کو دوبارہ زمین پر ڈالا گیا ہو تو ان سے ایک مربوط عبارت بن گئی ہو؟ کیا کبھی ایسا 'حادثہ' بھی پیش آیا ہے کہ غالب یا اقبال کی کسی غزل کے الفاظ الٹ پلٹ کر کسی جاہل کو دیے گئے ہوں اور وہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھ کر ترتیب دے اور غالب یا اقبال

---

[29] خورشید احمد، اسلامی نظریۂ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۹۳
Khursheed Ahmed, Islami Nazria-e-Hayat, department of translation and publication, Karachi University, 2002, p193

کی غزل نکل آئے، حالاں کہ حروف، الفاظ، ترکیبیں، استعارے سب وہی ہوں؟ اگر اس طرح ایک شعر نہیں بن سکتا تو یہ پوری کائنات اور جو کچھ اس میں ہے کس طرح بن سکتے ہیں؟"[30]

(۳) وجودِ باری تعالیٰ پر آئمہ اسلام کے عقلی دلائل

(i) امام جعفر صادقؒ سے کسی نے اللہ کے وجود پر دلیل دریافت کی۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر تم سمندر میں کشتی میں سوار ہو اور کشتی ڈوب جائے اور اُس کی کوئی تختی بھی تیرے ہاتھ میں نہ ہو اور تیرنا بھی نہ جانتے ہو تو پھر بھی تم کو سلامتی اور نجات کی اُمید باقی رہے گی؟ سائل نے کہا کہ اُمید تو رہے گی۔ امام موصوف نے فرمایا ظاہر اسباب نہ ہونے کے باوجود جس کے سہارے پر یہ اُمید قائم ہے وہی خدا ہے یہ گویا ہستیِ باری کی نفسیاتی دلیل ہے۔

(ii) امام ابو حنیفہؒ نے ثبوتِ باری تعالیٰ پر یہ دلیل پیش کی کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک کشتی آپ سے آپ دریا کے ایک کنارے سے خود بخود چل پڑے اور خود دوسرے کنارے پر پہنچ جائے؟ سائل نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے، تو آپؒ نے فرمایا کہ ایک چھوٹی سی کشتی خود بخود' چلانے والے کے بغیر نہیں چل سکتی تو کارخانۂ عالم کی یہ بڑی کشتی خود بخود' چلانے والے کے بغیر کیسے چل سکتی ہے۔ لہٰذا اس کا چلانے والا موجود اور وہی خدا ہے۔

(iii) امام شافعیؒ نے فرمایا، درخت توت کے پتے جب بکری کھاتی ہے تو اس کی مینگنیاں بن جاتی ہیں اور جب اس کو ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ریشم تیار ہوتا ہے اور جب شہد کی مکھی کھا لیتی ہے تو اس سے شہد بن جاتا ہے۔ گویا ایک ہی چیز سے تین مختلف حقیقتیں بن جاتی ہیں، یہ اس قادر مطلق کا فعل ہے جس کو ہم خدا کہتے ہیں۔

(iv) امام مالکؒ نے ثبوت باری تعالیٰ کے متعلق فرمایا: کہ ایک انسان کی آواز دوسرے انسان سے نہیں ملتی۔ اسی طرح شکل بھی جو اس امر کی دلیل ہے کہ اصوات و اشکال کا یہ اختلاف ایک عظیم قوت کا فعل ہے جس کو ہم خدا کہتے ہیں۔

---

[30] خورشید احمد، اسلامی نظریۂ حیات،، ص ۱۹۳

Khorsheed Ahmed, Islami Nazria-e-Hayat, p193

(v) مرغی کے انڈے میں بچہ پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہو کر انڈے کے چھلکے کا مضبوط قلعہ توڑ دیتا ہے جس سے بچہ باہر نکل آتا ہے اور بچہ نکلنے تک مرغی برابر انڈوں پر بیٹھی رہتی ہے۔ مرغی کو بیٹھنے کا پابند بنانا، بچہ کے بن جانے کا وقت معلوم کرنا، انڈے کے توڑنے کا وقت معلوم ہونا، یہ سب بذریعہ الہام ہے، جس کا مُلہم خدا ہے اُس نے بذریعہ الہام مرغی کو یہ سب کچھ بتلا دیا ہے۔

(vi) ”ابو نواس نے گونا گوں پتوں اور اس میں عجیب و غریب خوشنما پھولوں سے خدا کی ہستی پر استدلال کیا ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ پھولوں اور اُن کے پودوں کا مادہ پانی اور مٹی ہے جو ایک نوعیت کی چیزیں 'اُنہی میں سے مختلف پودوں اور رنگ برنگ خوشنما پھولوں کا بن جانا ایک عظیم قوت کی کارفرمائی ہے اور وہی قوت خدا ہے۔ سعدیؔ شیرازی فرماتے ہیں:

برگِ درختاں سبز و نظرِ ہوشیار ہر ورق
دفترے است معرفتِ کردگار

6- وجودِ باری تعالیٰ اور سائنسدانوں کا اعتراف

ذیل میں چند معروف اور بڑے سائنسدانوں کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں جو نہ صرف خدا کے وجود کے قائل تھے بلکہ انہیں اس بات پر بھی اصرار تھا کہ انہیں سائنس اور سائنسی طریقہ کار نے ہی خدا پر ایمان لانے پر مجبور کیا ہے۔

سائنسی طریقہ کار کے بانی سر فرانسس بیکن(1561-1626)کا کہنا ہے:

"It is true, that a little philosophy inclineth man's mind to atheism; but depth in philosophy bringeth men's minds about to religion ".[31]

”یہ کہنا بالکل درست ہے کہ تھوڑا سا فلسفہ پڑھنے سے ایک شخص ملحد بن سکتا ہے لیکن فلسفے میں گہرائی کا نتیجہ مذہب سے تعلق کی صورت میں ہی نکلتا ہے۔“

ماڈرن فلاسفی کے بانی رینے ڈیکارٹ(1596-1650)کا کہنا ہے:

"And thus I very clearly see that the certitude and truth of all science depends on the knowledge alone of the true God, insomuch that before I knew him, I could have no perfect knowledge of any other thin ".[32]

---

[31]Bacon, Francis, The Essays of Lord Bacon, (London: Longman and Green, Co.,1875), p 64
[32] Descartes,Rene, The Philosophy of Descartes: Containing the Method, Meditations, and Other Works, Translated by John Veitch, (New York: Tudor Publishing Co.,1901),p. V

”میں یہ واضح طور پر دیکھ رہا ہوں کہ سائنس میں جو بھی سچائی اور قطعیت ہے' اس کا انحصار اکیلے سچے خدا کے بارے میں علم پر ہے، وہ اس طرح کہ خدا کو جانے بغیر میں کسی بھی چیز کا مکمل علم حاصل نہیں کر سکتا ہوں۔“

ماڈرن سائنس کے بانی سر آئزک نیوٹن (1642-1727) کا کہنا ہے:

"Atheism is so senseless. When i look at the solar system, I see the earth at the right distance from the sun to receive the proper amounts of heat and light. This did not happen by chance ".[33]

”خدا کا انکار ایک حماقت ہے۔ جب میں نظام شمسی میں غور کرتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ ہماری زمین سورج سے ایک خاص فاصلے پر موجود ہے تاکہ وہ اتنی ہی حرارت اور روشنی حاصل کر سکے کہ جو اس کی ضرورت ہے اور یہ سب کچھ کسی حادثے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔“

اسی طرح ان کا کہنا یہ بھی ہے:

In the absence of any other proof, the thumb alone would convince me of God's existence ".[34]

”کوئی اور سائنسی گواہی نہ بھی ہوتی تو اکیلا انگوٹھا خدا کے وجود کی گواہی کے لیے کافی تھا۔“

الیکٹرانکس کے بانی میکائیل فیراڈے (1791-1867) کا کہنا ہے:

"The book of nature which we have to read is written by the finger of God ".[35]

”فطرت کی کتاب کہ جس کا ہم نے سائنس کے ذریعے مطالعہ کرنا ہے، وہ خدا کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔“

مائیکروبیالوجی کے بانی لوئیس پاسچر (1822-1895) کا کہنا ہے:

"The morel study nature, the morel stand amazed at the work of the Creator. Science brings men nearer to God " .[36]

”میں جس قدر فطرت کا مطالعہ کرتا ہوں، اسی قدر اس کائنات کے خالق کے بارے میری حیرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ سائنس کا مطالعہ انسان کو خدا کے قریب لے آتا ہے۔“

---

[33] Tiner, John Hudson, Isaac Newton: Inventor, Scientist, and Teacher, (Michigan: Mott Media, 1975), p. 123

[34] Chris Wright, God and Morality,(UK: Oxford University Press, 2003), p. 14

[35] Seeger, Raymond, "Faraday, Sandemanian", The Journal of the American Scientific Affiliation, The American Scientific Affiliation, June 1983, 35/101

[36] Tiner, John Hudson, The World of Biology: From Mushrooms to Complex Life Form, (USA: New Leaf Publishing Group, 2013), p. 12

ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ:

"Little science takes you away from God but more of it takes you to Him [37]

”تھوڑی سی سائنس کا مطالعہ تمہیں خدا سے دور لے جاتا ہے جبکہ اس کا گہرا مطالعہ تمہیں خدا کے نزدیک کر دیتا ہے۔“

8- خلاصہ بحث

درج بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید انسان اور کائنات دونوں کی ضرورت ہے۔ انسان کے ہزاروں نفسیاتی، سماجی، علمی، اخلاقی، قانونی، سیاسی اور معاشرتی مسائل کا حل خدائے واحد کے اقرار میں ہے۔ منکرین خدا کے پاس اپنے پورے علمی پس منظر میں چاہے وہ پس منظر فلسفے کا ہو یا سائنس کا‘علم کلام کا ہو یا تاریخ ونفسیات کا‘ انکار خدا پر ٹھوس شواہد موجود نہیں۔ فلاسفرز خلاف عقل اور ماورائے عقل میں فرق نہ کر سکے اور سائنسدان محسوسات سے باہر نہ جھانک سکے‘ جبکہ خدا پر ایمان اپنے صحیح منہج علم میں ”ایمان بالغیب“ ہے۔ جب کوئی شخص درج بالا منہج علم کی روشنی میں آگے بڑھتا ہے تو اس کے حواس اور عقل دونوں خدا کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی وہ عقل اور حواس کو آزادانہ بروئے کار لاتا ہے تو پھر وہ اقرار بھی کر سکتا ہے اور انکار بھی۔ مذاہبِ عالم میں خدا کا تصور موجود تو رہا ہے لیکن شرک کے ساتھ۔ اسلام وہ آخری الہامی دین ہے جس نے جہاں پر توحید کے ساتھ اللہ تعالٰی کا درست تصور پیش کیا وہاں پر مذاہب میں پائے جانے والے شرکیہ عقائد کی نفی بھی کی۔ نیز فلسفہ اور سائنس کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا موثر جواب دیا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

[37] Guitton, Jean, Dieu et La Science: Vers Le Metarealisme, (Paris: Grasset, 1991), p. 5